POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 24-25 August 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

انجمن ترقی اردو ہند

Date of Publication: 23-08-2024 • Price: 5/- • 1-14 September 2024 • Issue: 33,34 • Vol:83

یکم تا۱۴ستمبر ۲۰۲۴ء • شمارہ:۳۳،۳۴ • جلد:۸۳

عثمان غنی

صحافت کی ایک عبقری شخصیت

شعیب نظام

عثمان غنی صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ 'قومی آواز' کے دفتر میں شروع ہوا تھا، اُن دنوں میرے دوست شافع قدوائی 'قومی آواز' میں ملازمت کرتے تھے اوران کی چھٹی تقریباً آٹھ بجے رات کو ہوتی تھی۔ میں پریس انفارمیشن بیورو واقع حضرت گنج میں ملازمت کرتا تھا، میری چھٹی ساڑھے چھے بجے ہوتی تھی، اکثر میں آفس سے نکل کر 'قومی آواز' کے دفتر آ جاتا تھا۔ عثمان بھائی ایک دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ ہمیشہ گویا خیرمقدم کرتے تھے۔ اُس زمانے میں 'قومی آواز' کا دفتر کسی اخبار کے دفتر کی طرح نہیں معلوم ہوتا تھا کبھی کسی محاورے پر، کبھی کسی لفظ پر یا کسی شعر پر برابر گفتگو بھی ہوتی رہتی تھی اور ساتھ ساتھ اخبار کا کام بھی۔ عثمان صاحب کبھی کبھی بہت دلکش سرخیاں لگاتے تھے جس سے ان کے ادبی ذوق کا بھی علم ہوتا تھا جیسے ایک بار ایک سیاہ کار میں بیٹھے کچھ لٹیروں نے ایک رات میں ہی کئی وارداتیں انجام دے دیں۔ دوسرے دن اخبار کی سرخی تھی 'سیہ کار کی سیہ کاریاں' یہ سرخی عثمان بھائی کے ذہن کی اپج تھی۔ کانپور میں محلّہ فیتھ فل گنج میں سڑکوں پر خاصے گڑھے ہو گئے تھے جس سے مسافروں کو سفر میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اس خبر کی سرخی عثمان صاحب نے یوں لگائی فیتھ فل گنج جو بے وفا ہو گیا۔ خان عبدالغفار کے انتقال پر انھوں نے سرخی لگائی تھی 'خان عبدالغفار کی آخری جلاوطنی'۔ بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی حمایت میں اعزاز رضوی نے بیگم حضرت محل پارک میں ایک جلسہ کیا تھا۔ عثمان غنی صاحب نے یک سطری سرخی لگائی تھی 'نمک ہلالی'۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے انتقال پر انھوں نے سرخی لگائی تھی 'سچی باتیں لکھنے والا عظیم صحافی اٹھ گیا'۔ حسن واصف عثمانی صاحب کے انتقال پر ان کی سرخی تھی 'حسن واصف عثمانی رحمت حق میں پیوست'۔ بابری مسجد کی شہادت پر بحیثیت اڈیٹر انھوں نے 'قومی آواز' کا پہلا صفحہ سیاہ رکھ کر اس پر سفیدے سے یہ خبر شائع کی تھی۔ ایسا زبردست احتجاج کسی اور اخبار نے نہیں کیا تھا۔

عثمان غنی کی نظر ملکی و غیر ملکی حالات پر بہت گہری تھی اور اس سے امتِ مسلمہ پر کیا اثرات مرتب ہوتے تھے اس سے وہ خوب واقف تھے اس لیے 'قومی آواز' کی سہ سرخی حالاتِ حاضرہ کو بے نقاب کرتی ہوئی پڑھنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی تھی۔ عثمان بھائی بہت عمدہ اداریے لکھتے تھے لیکن اپنا نام کہیں استعمال نہیں کرتے تھے۔ اخبار کے دلّی اڈیشن کے اڈیٹر موہن چراغی تھے۔ کئی لوگوں نے آ کر بتایا کہ عثمان صاحب آپ کے اداریوں کی داد موہن چراغی وصول کرتے رہتے ہیں اور وہ کبھی وضاحت بھی نہیں کرتے کہ اتنے شاندار اداریے ان کے قلم کے مرہونِ منت نہیں ہیں، وہ یہ سب سن کر مسکرا دیتے تھے۔ میں جب 'قومی آواز' کے دفتر جاتا تو عثمان بھائی مسکرا کر میرا خیرمقدم کرتے اور ادبی ہنگاموں کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ زیب غوری جب کانپور سے لکھنؤ جاتے تو نیّر مسعود صاحب اور شمس الرحمان فاروقی صاحب کے ساتھ عثمان غنی صاحب سے ضرور ملتے۔ 'قومی آواز' کا ضمیمہ ادبی حلقوں میں بہت مقبول تھا۔ زیب غوری، عرفان صدیقی وغیرہ اس میں اپنی غزل کی شمولیت پر خوش ہوتے تھے کیوں کہ ان کی غزل ضمیمہ میں شامل ہو کر ایک بڑے حلقے تک پہنچ جاتی تھی۔

عثمان صاحب بہترین مترجم تھے۔ انھوں نے ضمیمے کے لیے انگریزی کے کسی مضمون یا افسانے کا ترجمہ کیا تھا۔ منظر سلیم جو خود بھی نہایت باصلاحیت صحافی تھے اور روس میں خاصا وقت گزار کر واپس لکھنؤ آئے تھے۔ عابد سہیل کی دکان پر انھوں نے کہا کہ اتنا رواں دواں اور فیتھ فل ٹرانسلیشن میرے علاوہ شہر میں صرف عثمان غنی کر سکتے ہیں۔

ایک دن ضیاء فاروقی نے بتایا کہ میں ہم وطن ہونے کی وجہ سے عثمان بھائی اور ان کی فیملی سے خاصا قریب تھا۔ دفتر میں بیٹھے بیٹھے مجھے پیاس محسوس ہوئی اور میں نے عثمان بھائی سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھوڑی دیر بعد عثمان صاحب فوراً اٹھ کر گئے اور پانی لے کر واپس آ گئے۔ ضیاء صاحب فطری طور پر شرمندہ ہوئے ہوں گے اس لیے انھوں نے کہا کہ عثمان بھائی آپ کیوں پانی لے آئے۔ عثمان صاحب نے جواب دیا کہ دو مہینے سے تنخواہیں نہیں بٹی ہیں، اس لیے میری ہمت نہیں پڑی کہ میں کسی چپراسی سے پانی لانے کے لیے کہتا۔ سلیم عمر 'قومی آواز' میں پروف ریڈر تھے، ایک دن انھیں کسی وجہ سے تاخیر ہو گئی، عثمان صاحب نے کاپی اٹھا کر خود پروف ریڈنگ شروع کر دی۔ استفسار پر انھوں نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ سلیم عمر کو کوئی ضروری کام پڑ گیا ہوگا اور میرے پاس اس وقت کوئی کام نہیں ہے، اس لیے میں نے سوچا کہ بیٹھے بیٹھے پروف ریڈنگ مکمل کر لی جائے آپ غور کیجیے کہ 'قومی آواز' جیسے بڑے اخبار کا اڈیٹر کسی احساسِ کمتری کے بغیر پروف ریڈنگ کرنا اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھتا ورنہ چھوٹے چھوٹے اخبار کے اڈیٹروں کی طرف آپ کا دھیان جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان کی فرعونیت ان کو اس بات کی کیا اجازت دے گی۔

جاوید کاظم جو قومی آواز میں ملازمت کرتے تھے ان کے مطابق عثمان صاحب اتنے شریف انسان تھے کہ کبھی ان کی ذات سے کسی کی دل آزاری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ان کی شرافت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ زندگی کے ایک طویل عرصے تک حیدر گنج علاقے میں سعید نقوی صاحب کے مکان میں کرایے پر رہے۔ سعید نقوی اور عثمان غنی صاحب میں اس بات پر لڑائی ہوتی تھی کہ ان کے والدِ محترم عثمان صاحب سے کہتے تھے کہ آپ مکان کا کرایہ زیادہ دے رہے ہیں تھوڑا کم کر دیں جب کہ عثمان صاحب کا کہنا تھا کہ آپ کرایہ کم لے رہے ہیں آپ کرایہ بڑھا دیں۔ اس دوران سعید کے والد کے انتقال کے بعد انھوں نے عثمان صاحب سے کہا کہ مکان کافی بوسیدہ ہو گیا ہے اور ہم فی الحال مرمت نہیں کروا رہے ہیں، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر کہیں اور نہ انتظام کر لیں لہٰذا جس حصّے میں آپ کا قیام ہے اس کی رجسٹری ہم آپ کے نام بغیر پیسے کے کرا رہے ہیں لہٰذا آپ یہیں رہیں لیکن عثمان صاحب نے اس کو قبول نہیں کیا۔ انھوں نے وہاں سے اٹھ کر کشمیری محلّے کے ایک مکان میں رہنا شروع کر دیا اور اس مکان میں کچھ رقم مکان کی مرمت میں بھی لگائی۔ چند روز بعد مکان مالک نے جب ان سے کہا کہ ان کے کسی رشتہ دار کو مکان کی ضرورت ہے اور وہ مکان ان کو دینا چاہتے ہیں تو عثمان صاحب نے صرف تین دن کی مہلت پر وہ مکان خالی کر دیا۔

نافع قدوائی صاحب لکھتے ہیں کہ 1980 میں انتظامیہ نے دہلی سے بھی 'قومی آواز' نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت کمیٹی کے چیئرمین یشپال کپور تھے، ان کی خواہش تھی کہ دہلی کے 'قومی آواز' کے پہلے شمارے میں مسز اندرا گاندھی کا انٹرویو شائع ہو۔ آخر میں نظر عثمان غنی صاحب پر پڑی

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

کیوں کہ ایسی تیز طرار پی ایم سے انٹرویو کرنے میں باقی لوگ گھبرا رہے تھے۔عثمان غنی صاحب نے مسز گاندھی سے بہترین انٹرویو کیا۔

سخت غلطیوں پر بھی وہ اپنے اسٹاف کے کسی رکن کی کبھی سرزنش نہیں کرتے تھے ہاں مدھم لہجے میں سمجھاتے ضرور تھے۔

پروفیسر شافع قدوائی کے بڑے بھائی نافع قدوائی صاحب جو خود بھی ایک اعلا درجے کے صحافی تھے۔انھوں نے اپنی ناوقت موت سے پہلے 'لکھنؤ کے بھولے بسرے صحافی' کے عنوان سے ایک بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔وہ عثمان غنی صاحب کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''عثمان غنی ہاشمی نے 1960 میں سب اڈیٹر کی حیثیت سے جوائن کیا تھا،اس وقت 'قومی آواز' کے ادارتی عملے میں ایک سے ایک اچھے صحافی تھے ان کی موجودگی میں عثمان صاحب نے اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا خبر سائنس کی ہو، بجٹ کی ہو، ملک کے معاشی سروے کی ہو، بیرونِ ملک کے سیاسی ومعاشی خبر، تجزیہ ہو، جنگ سے متعلق خبر ہو،امریکن انگریزی کی ہو یا برٹش انگریزی کی،عثمان صاحب ان خبروں کا بہترین سلیس اردو میں ایسا ترجمہ کرتے تھے کہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا تھا کہ یہ خبر ترجمہ کی گئی ہے۔ انھوں نے صحافت کو روزگار کے بجائے ایک مشن بنالیا تھا اور عمر بھر اس پر کاربند رہے۔''

نافع صاحب مزید رقم طراز ہیں:

''لکھنؤ کے سیلاب اور دیگر مسائل پر انھوں نے بہترین رپورٹنگ کی تھی۔''

نافع قدوائی صاحب لکھتے ہیں:

''عثمان صاحب انکار نہیں کرپاتے تھے مگر مروت میں وہ اخبار سے کوئی سمجھوتہ بھی نہیں کرپاتے تھے۔کوئی غزل یا مضمون اگر معیار پر پورا نہیں اترتا تھا تو وہ اسے شائع نہیں کرتے تھے۔ شاعر یا مصنف آٹھ دس بار کی یاددہانی کے بعد خود ہی خاموش ہوجاتا تھا۔''

عثمان بھائی بہت مدلل اور دلچسپ گفتگو کرتے تھے،وہ انتہائی اہم موضوعات پر اداریے بھی لکھتے جاتے تھے،اندازہ ہوتا تھا کہ انھوں نے کانگریس کی پالیسی اور صورتِ حال پر کیسا پُرمغز اداریہ لکھا ہے۔وہ ایک چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا تھے مگر انھوں نے کبھی اپنے علم سے سامنے والے کو مرعوب نہیں کیا ہاں ہم سب ان سے متاثر ضرور ہوتے تھے۔

جناب جاوید کاظم رقم طراز ہیں:

''اب سے تقریباً دس بارہ سال قبل 'قومی آواز' کے دفتر نہرو بھون سے رات میں جب میں اپنا کام ختم کرکے نکلا تو عثمان صاحب بھی گھر چلنے کے لیے اٹھ رہے تھے، میں نے ان سے کہا کہ چلیے صاحب میں آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دوں، اُس وقت عثمان صاحب گولہ گنج میں مقبرے کی پشت پر رہتے تھے راستے میں گفتگو کے دوران میں نے ان سے پوچھا کہ میری تنخواہ بڑھی ہے کیا آپ کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا ہے تو انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ارے میاں پچھلے سال جو تنخواہ میری بڑھی تھی وہی ابھی تک جڑ کر نہیں مل رہی ہے تو اور تنخواہ بڑھنے کی کیا بات کروں۔عثمان صاحب کی یہ بات سن کر مجھے کافی حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا اور عثمان صاحب کو ان کے گھر چھوڑنے کے بعد میں رات دس بجے ریور بینک کالونی پہنچا اور وہاں ایسوسی ایٹیڈ جرنلسٹس لمیٹڈ کے ڈائرکٹر سید سبطِ رضی سے صورتِ حال کی وضاحت کی۔ میں نے ان کو بتایا کہ گذشتہ سال آپ نے عثمان غنی صاحب کی جو تنخواہ بڑھائی تھی وہ ان کو آج تک نہیں ملی۔ سیّد سبطِ رضی صاحب کو اس پر نہ صرف حیرانی ہوئی بلکہ غصہ بھی آیا۔ پہلے تو انھوں نے عثمان صاحب کو فون کیا کہ آپ نے ہم کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ آپ کو تنخواہ بڑھا کر نہیں مل رہی ہے۔عثمان صاحب نے ان کو کیا جواب دیا یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر سبطِ رضی صاحب کا غصہ بڑھ گیا اور انھوں نے ہیرالڈ گروپ کے منیجر کو فون کرکے کافی سخت وسست کہا اور کہا کہ کل عثمان صاحب کو آفس پہنچتے ہی ان کی اضافی تنخواہ بڑھا کردی جائے۔اس واقعے کے دوسرے دن جب میں شام کو آفس پہنچا تو عثمان صاحب میری میز کے قریب آکر کھڑے ہوگئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے کہ کل آپ نے کیا حرکت فرمائی جس سے یہاں کی انتظامیہ کو تھوڑی پریشانی ہوئی پیسہ تو بعد میں مل ہی جاتا حالاں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ پیسہ بہ صورتِ دیگر ان کو کبھی نہیں ملتا۔''

'قومی آواز' کے ضمیمے میں عمر انصاری، ولی الحق انصاری اور دوسرے مشاہیر شعرا کی غزلیں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ میری بھی کئی غزلیں ضمیمے میں شائع ہوئیں۔'قومی آواز' میں غزل کی اشاعت تمام شعرا کے لیے بہت خوشی کی بات ہوتی تھی۔زیب غوری مرحوم نے اپنی تابع مہمل والی غزل جس کا ایک شعر یوں تھا:

ہم ایسے واماندۂ جاں کو بستر وستر کیا
پل دو پل کو موندلوں آنکھیں ورنہ گھر ور کیا

یہ غزل عثمان بھائی کو دے کر وہ پاکستان گئے تھے۔ان کی خواہش تھی کہ جب وہ پاکستان سے واپس آئیں تب یہ غزل ضمیمے میں شائع ہو جس سے احباب کی داد بھی وہ بخوبی وصول کرسکیں مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔زیب صاحب پاکستان سے واپس نہیں آسکے اور وہیں کی مٹی کا پیوند ہوگئے اس کے بعد یہ غزل شائع ہوئی تو غزل پڑھ کر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم لوگوں کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

شافع قدوائی صاحب عثمان بھائی کی سرپرستی میں بہت اچھے صحافی بن گئے تھے۔'قومی آواز' کا ضمیمہ بھی بعد میں وہی دیکھنے لگے تھے یہ الگ بات ہے کہ وہ عثمان بھائی کو مضامین وغیرہ دکھا لیتے تھے لیکن بعد میں عثمان بھائی کو اندازہ ہوگیا کہ شافع میں بلا کی صلاحیت ہے،اس لیے ضمیمہ شافع قدوائی کے ذمے ہی ڈال دیا۔ شافع قدوائی کے نانا عبدالماجد دریا آبادی اور چچا حکیم عبدالقوی صاحب خود اعلا درجے کے صحافی تھے،ان کی والدہ ماجد صاحب کی بیٹی ہی نہیں بلکہ اُن کی سکریٹری بھی تھیں،اس لیے انھیں کئی زبانوں پر کامل دسترس تھی۔شافع کے گھر میں لکھنؤ سے شائع ہونے والے تقریباً سبھی اخبار آتے تھے۔ان کے والد حبیب صاحب بہت خوش ہوتے تھے۔ جب میرے گھر جانے پر شافع سے میری ملاقات نہیں ہو پاتی تھی تب وہ انگریزی کے کئی اخبار لاکر اپنے غصے کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ کیا زمانہ آگیا ہے صاحب کیسی انگریزی یہ لوگ لکھتے ہیں اگر میرا زمانہ ہوتا تو اڈیٹر کا کان پکڑ کر دوسرے دن دفتر سے باہر نکال دیتا۔شافع قدوائی کی بدولت ہم لوگوں کی ادبی سرگرمیوں کی خبریں تصویروں سمیت 'قومی آواز' میں برابر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ شافع قدوائی اور میں اکثر گولہ گنج واقع عثمان صاحب کے گھر جایا کرتے تھے جو شافع کے گھر خاتون منزل سے زیادہ دوری پر واقع نہیں تھا۔عثمان صاحب ادب کے ہر موضوع پر بے تکان گفتگو کرنے پر قادر تھے۔ن.م.راشد، میراجی، اختر الایمان اور مجید امجد جیسے نظم کے نمائندہ شاعروں پر خوب بصیرت افروز گفتگو کرتے تھے۔ مجھے اکثر حیرت ہوتی تھی کہ عثمان صاحب کو اخبار کے بعد اتنا وقت کہاں سے مل جاتا ہے جس کی بدولت ادب کی تمام اصناف پر اس اعتماد سے گفتگو کرلیتے تھے۔

شہریار صاحب کے پہلے مجموعے 'اسم اعظم' پر سب سے پہلا تبصرہ عثمان صاحب نے ہی لکھا تھا جس سے شہریار صاحب خاصے متاثر تھے۔ ایک دن مجھے ساتھ لے کر شہریار صاحب عثمان صاحب سے ملنے 'قومی آواز' کے دفتر گئے، ان سے فرمائش کی کہ کسی دن آپ میری شاعری پر مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے وقت نکال لیجیے۔عثمان صاحب نے بڑی خوش دلی سے رضامندی کا اظہار کیا مگر شاید اخبار کی مصروفیات نے انھیں اس کا وقت نہیں دیا۔

ٹیلی ویژن کے مذاکروں میں عثمان غنی صاحب برابر شریک ہوتے تھے، کئی بار مجھے بھی ان کے ساتھ مذاکروں میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ رجحانات اور رویّے پر گفتگو کرنا پسند کرتے تھے، نام گنوانے سے انھیں سخت الجھن ہوتی تھی۔عثمان صاحب صرف موضوع معلوم کرلیتے تھے اور رکشے سے مذاکرے میں شرکت کے لیے ٹی وی اسٹیشن پہنچ جاتے تھے،اس طرح کے مذاکروں میں شرکت کرتے ہوئے مجھے عجیب وغریب تجربات ہوئے ہیں۔کبھی کبھی شرکا اس اعلا معیار پر گفتگو نہیں کرپاتے تھے جس کی نیّر مسعود اور عثمان غنی بجا طور پر توقع رکھتے تھے۔

عثمان صاحب کو زبان پر میں نے کبھی حرفِ شکایت لاتے نہیں سنا، وہ ہمیشہ ایک شانِ بے نیازی سے مسکراتے رہتے تھے۔ایک بار نیر مسعود، عثمان غنی صاحب اور میں افسانوں کے ایک مذاکرے میں شریک تھے،تقریباً سولہ منٹ کی ریکارڈنگ کے بعد میری زبان سے نکل گیا کہ پاکستان میں انتظار حسین وغیرہ کس طرح کے افسانے لکھ رہے ہیں۔مظہر محمود جو پروگرام انچارج اور میرے دوست بھی تھے، ریکارڈنگ روک کر ہم لوگوں کے پاس آئے اور کہنے لگے صاحب ریکارڈنگ دوبارہ ہوگی پاکستان کا ذکر آپ لوگوں کو نہیں کرنا چاہیے۔ چائے پینے کے بعد جب ریکارڈنگ دوبارہ شروع ہوئی تو نیّر مسعود صاحب نے دھیمے سے مجھ سے کہا کہ جب اٹھارہ منٹ ہونے والے ہوں تو ایک بار پھر پاکستان کا ذکر کرنا آج دیکھتے ہیں یہ کتنی بار ریکارڈنگ کراتے ہیں۔عثمان صاحب صرف مسکراتے رہے۔میں نے نیّر صاحب کی بات کو حکم کا درجہ دیتے ہوئے ریکارڈنگ کے آخری مرحلے میں شعوری طور پر دوبارہ پاکستان کا ذکر کیا مگر اب شاید مظہر محمود بھی تھک گئے تھے اس لیے انھوں نے ریکارڈنگ دوبارہ نہیں روکی۔

عثمان صاحب کے گھر پر ایک خوفناک کتّا پلا ہوا تھا، ہم اور شافع دروازے سے ہی ہانک لگانا شروع کردیتے تھے کہ عثمان بھائی کتّا سنبھالیے، وہ آکر کتے کا پٹہ پکڑ لیتے تھے اور ہم لوگ ان کی بیٹھک کے کمرے میں جاکر ان سے گھنٹوں ادب کے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ان کو سنتے رہتے تھے۔ان کی بلا کی یادداشت پر حیرت زدہ بھی ہوتے رہتے تھے۔

نیّر مسعود صاحب کے گھر پر ہم لوگ چھوٹی چھوٹی نشستوں کا انعقاد کیا کرتے تھے اس میں کبھی کبھی عثمان بھائی بھی شریک ہوتے تھے اس طرح کی ایک گروپ تصویر میرے البم میں اب بھی محفوظ ہے۔عثمان صاحب جب علیل ہوگئے تو ایک بار میں اپنا کیمرہ لے کر لکھنؤ گیا اور عثمان غنی صاحب، نیّر مسعود صاحب اور عابد سہیل صاحب کی تصاویر کھینچی یہ تصویریں اب بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔

اب شاید عثمان غنی صاحب جیسا نابغۂ روزگار صحافی، ادب شناس اور قدروں کا امین شخص دیکھنے کو نہیں ملے گا، شاید وہ سانچے ٹوٹ گئے ہیں جن میں اس طرح کی بڑی شخصیات ڈھلا کرتی تھیں۔ اب تو ہم جیسے بونے لوگوں کی بہتات ہے۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے اپنی نوجوانی میں ایسی عبقری شخصیتوں کو دیکھا ہے اور ان سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کیا ہے۔ میں بس یہی عرض کرسکتا ہوں:

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ڈاکٹر شعیب نظام
105/591، حافظ حلیم کمپاؤنڈ، بھنا نا پروا، چمن گنج، کان پور-208001
Mob. No. 8960416841

اُردو صحافیوں کا تحریکِ آزادی میں حصّہ

عارف عزیز

اردو صحافت کی دوسو سالہ سال کی تاریخ اردو کے صحافیوں کی قربانیوں سے بھری ہوئی ہے،اس مدت میں ہندستان کے مختلف علاقوں سے اخبارات اور رسالے جاری ہوئے جن کا مقصد تجارت نہیں بلکہ ملک وقوم کی خدمت تھا،خاص طور پر 1857 سے 1947 تک اردو کے اخباروں کی اشاعت تحریکِ آزادی سے جڑی ہوئی تھی۔'انقلاب زندہ باد' کے نعروں اور 'سرفروشی کی تمنا' نے اردو صحافیوں کے دلوں کو گرما رکھا تھا اور حب الوطنی کے اسی جذبے کو انھوں نے ہندستان کے عام لوگوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی ، ان میں ہندو ، مسلمان ،سکھ اور عیسائی سب شامل تھے۔

اردو کا پہلا اخبار 'جامِ جہاں نما' تھا جس کے اڈیٹر منشی سدا سکھ مرزاپوری، مالک ہری ہردت اور ناشر ایک انگریز ولیم ہوپ کنگ تھے۔ اس اخبار میں کبھی طنز کبھی مزاح کے پیرایے میں انگریزوں کی زیادتیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ یہ ہفتہ وار اخبار 1822 میں شائع ہوا،اس کے ایک سال بعد 1823 میں انگریز حاکموں نے ایک آرڈی ننس جاری کرکے بنگال میں اخبار نکالنے کے لیے لائسنس حاصل کرنے کی پابندی لگادی ۔اس کے خلاف برہمو سماج کے بانی راجہ رام موہن رائے نے پہلے سپریم کورٹ میں اور اس کے بعد شاہ انگلستان سے اپیل کی، راجا صاحب اس وقت فارسی کا ہفتہ وار 'مرآۃ الاخبار' نکالتے تھے۔ یہ اپیل نامنظور ہونے پر انھوں نے لائسنس لینے سے انکار کرکے اپنا اخبار بند کردیا۔اس طرح اخبارات کی آزادی کے لیے کسی ہندستانی نے سب سے پہلے آواز اٹھائی۔

اُس وقت کے حالات کی سختی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 'جامِ جہاں نما' کے بعد تیرہ سال تک اردو کا کوئی اخبار شائع نہیں ہوا۔دوسرا اخبار جس کا ہمیں ذکر ملتا ہے، وہ 'دہلی اردو اخبار' ہے، یہ ہفتہ وار مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے 1836 میں نکالنا شروع کیا اور 1857 تک یہ مسلسل شائع ہوتا رہا۔اس میں دہلی دربار کی خبروں کے ساتھ ساتھ وہاں کی بدانتظامی پر بھی تبصرے ہوتے تھے۔ایسی خبریں اور رپورٹیں شائع کی جاتی تھیں، جن سے عام لوگ انگریزوں کے ظلم و ستم اور چالاکی و مکاری کا اندازہ کرسکیں۔ دہلی پر انگریزوں کے دوبارہ قبضے کے بعد مولوی محمد باقر کو گرفتار کرکے باغیوں کی مدد اور انگریزوں کے خلاف بغاوت کے جرم میں دوسرے مجاہدینِ آزادی کے ساتھ توپ سے اڑادیا گیا۔محمد حسین آزاد کے نام بھی گرفتاری کا وارنٹ تھا لیکن وہ انگریزوں کے ہاتھ نہ آئے۔ مولوی محمد باقر شمالی ہندستان میں اردو صحافت کے بانی، لیتھو طباعت کے موجد اور آزاد صحافت کے امین تھے۔ ان کے ہم عصر 'صادق الاخبار' کے اڈیٹر جمیل الدین ہجر پر بھی بغاوت کا مقدمہ چلا اور تین سال کی سزا سنا کر ان کی جائداد ضبط کرلی گئی۔ اسی طرح کلکتہ کے اخبار 'گلشنِ نوبہار' کو پریس ایکٹ کی خلاف ورزی کرکے باغیانہ مضامین شائع کرنے کے جرم میں بند کردیا گیا اور اخبار کا پریس ضبط ہوگیا۔اس اخبار کے اڈیٹر عبدالقادر نے اودھ کے نواب واجد علی شاہ کی برطرفی کے خلاف کھل کر آواز اٹھائی تھی، اخبار فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

1859 میں منشی نولکشور نے لکھنؤ سے 'اودھ اخبار' جاری کیا، اِس اخبار نے جنگِ آزادی میں براہِ راست حصہ نہیں لیا لیکن اس میں اور آگرہ سے شائع ہونے والے مکند لال کے ماہنامہ 'تاریخ بغاوتِ ہند' میں انگریز افسروں اور ان کے ہمدرد دیسی کارندوں پر اکثر تنقید ہوتی تھی، جنگِ آزادی کے مجاہدوں کے خلاف چلنے والے مقدموں کی کارروائی بھی شائع کی جاتی تھی ۔ اجمیر سے منشی ایودھیا پرساد نے ہفت روزہ 'خیر خواہِ خلق' کے نام سے اور بنگلور سے محمد شریف نے 'منشورِ محمدی' کے نام سے جو اخبارات نکالے اُن کو بھی آزادی کی تحریک کی بھرپور حمایت کرنے پر عتاب کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح میرٹھ کے اخبار 'جلوہ طور' کے اڈیٹر سید ظہیر الدین طور کو آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے پر توپ سے اڑادیا گیا۔'سائنٹفک سوسائٹی' علی گڑھ کے اڈیٹوریل اسٹاف کے رکن مولانا محمد اسماعیل کو ایک مضمون لکھنے کے جرم میں تین سال انڈر گراؤنڈ رہنا پڑا اور آخر میں اُن کی جائیداد ضبط کرکے نیلام کردی گئی۔

اردو کے صحافیوں کی اِس قربانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندستان میں بیداری پیدا کرنے اور غلامی کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکانے میں اردو صحافیوں کا کتنا اہم رول رہا ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے ہی اردو میں تقریباً ہر قسم کے اخبارات اور رسالے نکلنے لگے تھے، اور ان میں سیاسی، سماجی، ادبی، ثقافتی اور طنزیہ ومزاحیہ ہر قسم اور ہر مذاق کے اخبارات تھے،ان کا دائرہ بھی کافی بڑا تھا۔ایسا ہی ایک اخبار 'اودھ پنچ' تھا، جس کے اڈیٹر منشی سجاد حسین کاکوروی نے طنز ومزاح کے پردے میں انگریز حکومت سے زیادہ مغربی تہذیب وتمدن اور اخباری کارٹونوں کے ذریعے انگریز حکام کو مذاق کا نشانہ بنا کر اُن کے دبدبے کو کم کرنے کی کوشش کی۔

انیسویں صدی کی اردو صحافت اور صحافیوں کی یہ روایت بیسویں صدی میں بھی قائم رہی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ طاقتور ہوگئی۔مشہور اہلِ قلم ادیبوں اور شاعروں نے صحافت سے وابستگی اختیار کرکے صحافت و ادب کے رشتے کو ہی مضبوط نہیں کیا بلکہ صحافت کا معیار بھی بلند کردیا۔

انیسویں صدی کی اردو صحافت اور صحافیوں کی یہ روایت بیسویں صدی میں بھی قائم رہی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ طاقتور ہوگئی۔مشہور اہلِ قلم ادیبوں اور شاعروں نے صحافت سے وابستگی اختیار کرکے صحافت وادب کے رشتے کو ہی مضبوط نہیں کیا بلکہ صحافت کا معیار بھی بلند کردیا۔ ان معروف ادیبوں اور شاعروں میں مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا محمد علی جوہر کے نام سرِفہرست ہیں، اردو کے یہ چاروں مجاہد اس کی انقلابی صحافت کے بھی علم بردار ہیں۔

اِن معروف ادیبوں اور شاعروں میں مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا محمد علی جوہر کے نام سرِ فہرست ہیں، اردو کے یہ چاروں مجاہد اس کی انقلابی صحافت کے بھی علم بردار ہیں۔

مولانا حسرت موہانی کے رسالے 'اردوے معلیٰ'، ظفر علی خاں کے روزنامہ 'زمیندار'، مولانا آزاد کے 'الہلال' اور مولانا محمد علی جوہر کے 'ہمدرد' حقیقت میں اخبار نہیں بلکہ تحریک تھے، جن کی وجہ سے پورے ملک میں سیاسی وسماجی شعور، ظلم وزیادتی کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ اور ہندستان کے لوگوں میں مل جل کر آزادی کے لیے لڑائی لڑنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

اِس دور کے دوسرے اخبارات میں بجنور سے حامد الانصاری غازی کی ادارت میں شروع ہونے والے اخبار 'مدینہ' کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہوا۔اس کے بعد میں بنے اڈیٹروں میں ممتاز صحافی ابوسعید بزمی کا نام بھی آتا ہے جو بھوپال میں پیدا ہوئے اور صحافت کے خدمت گار نیز آزادی کے حوصلہ مند مجاہد کی حیثیت سے بار بار مختلف مقدمات میں ماخوذ ہوکر قید اور دوسری سزاؤں سے گزرتے رہے، ایسے ہی ایک صحافی بشن سہائے آزاد تھے، جنھوں نے اپنے اخبار 'آزاد، کے ذریعے نہایت دلیری کے ساتھ انگریزوں کو یہ باور کرانے کی سعی کی کہ ان کے کسی ایسے قانون کی پابندی نہیں کی جاسکتی جو اصولی حق پرستی اور سچائی کے خلاف ہو، اِن کے علاوہ مہاشہ کرشن کے لاہور سے شائع ہونے والے روزنامہ 'پرتاپ' لالہ لاجپت رائے کے 'بندے ماترم' جمعیۃ علماے ہند کے 'الجمعیۃ' کانگریس کے 'قومی آواز' مولانا عبدالماجد دریابادی کے 'سچ' اور صدقِ جدید' مولانا عبدالمجید سالک اور غلام رسول مہر کے 'انقلاب' (لاہور)، سردار دیوان سنگھ مفتون کے 'ریاست' (دہلی)، خوش حال چند کے 'ملاپ' (لاہور) وہ اخبارات اور اُن میں کام کرنے والے صحافی ہیں جنھوں نے حق گوئی اور اظہار رائے کی آزادی کا پرچم بلند کرتے ہوئے ہر طرح کی قربانیوں سے کبھی منہ نہ موڑا۔ خلافتِ تحریک ہو یا ترکِ موالات یا پھر ہندستان چھوڑ وجدوجہد اِن سب میں اردو پریس اور اس کے صحافیوں نے جتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ ناقابلِ فراموش ہے۔سابق ریاست بھوپال میں بھی اردو کے جیالے صحافیوں نے حق گوئی کی روشن مثالیں قائم کیں۔ یہاں سے شائع ہونے والے اخبار و رسائل میں عبدالکریم اوج کا 'صداقت' وہ اخبار ہے جس کو شخصی راج کے خلاف آواز اٹھانے پر ریاست بدر کردیا گیا اور بعد میں انھوں نے ہوشنگ آباد سے 'موجِ نربدا' کے نام سے دوسرا اخبار نکالا، اسی طرح بھوپال سے شائع ہونے والے 'صبحِ وطن، رہبرِ وطن ، اور 'رہنما' نے بھی جدوجہدِ آزادی میں اہم حصہ لیا اور بحیثیت مجموعی اردو کے صحافی ملک کے عوام میں سیاسی بیداری کی روح پھونکنے میں کامیاب ہوئے اور اسی کے نتیجے میں یہاں آزادی کا سورج طلوع ہوسکا۔

عارف عزیز
20-گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

اردو دُنیا

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ جھارکھنڈ کے وفد کی ڈاکٹر عرفان انصاری (ریاستی وزیر دیہی ترقیات) سے ملاقات

رانچی (پریس ریلیز، 24 جولائی)۔ انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ کا دس رکنی وفد 24 جولائی 2024 کو ایم زیڈ خان کی قیادت میں وزیر دیہی ترقیات (رورل ڈیولپمنٹ) ڈاکٹر عرفان انصاری سے ملا اور انھیں اردو مسائل پر مبنی سات نکاتی میمورنڈم سپرد کیا جس میں اردو اکادمی اور ڈائرکٹوریٹ کی تشکیل سمیت اردو کی خالی یونٹوں کو پُر کیے جانے اور دیگر مسائل پر اختصار سے ذکر کیا گیا ہے۔

وزیرِ موصوف ڈاکٹر عرفان انصاری سے وفد نے اردو کے مختلف مسائل خصوصاً اردو اسکولوں میں خالی اسامیوں کو بھرنے اور پلس ٹو اسکولوں میں اردو یونٹوں کے قیام کی بات پر زور دیا کیوں کہ ان اسکولوں میں اردو اساتذہ کی عدمِ موجودگی کے سبب بچے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے اپنے بنیادی حقوق سے محروم کیے جا رہے ہیں، یہ سراسر ناانصافی ہے۔ اس کا ازالہ کیے جانے کی ضرورت ہے۔ وزیرِ موصوف سے اردو کے مسائل کو اسمبلی سیشن میں اٹھائے جانے کی بھی گزارش کی گئی۔

انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کے وفد میں ایم زیڈ خان کے علاوہ پلاموکمشنری کے انچارج ڈاکٹر یاسین انصاری، لاتیہار کے کنوینر شمس الہدیٰ، انجمن ترقی اردو رانچی کی یوتھ ونگ کے کنوینر محمد الیاس، انجمن کی اربا برانچ کے کنوینر توحید عالم، رانچی کی جوائنٹ سکریٹری یاسمین لال، رانچی انجمن کی مجلسِ عاملہ کے رکن محمد محسن سعید، توقیر احمد اور شیبو مہتو وغیرہ شامل تھے۔

اردو کے حقوق کی بازیابی کے لیے انجمن نے سیاسی دباؤ بنانے کا لائحۂ عمل تیار کیا ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔

اردو سے متعلق آرڈیننس کی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں خلاف ورزی سے اردو داں عوام کو تکلیف

ڈاکٹر سید احمد خاں

نئی دہلی (21 اگست) اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن (یوڈی او) کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے اپنے ایک بیان میں اس امر پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی اکیڈمک کونسل نے سابق وائس چانسلر نجیب جنگ کے زمانے میں ایک آرڈیننس (Ordinance) کے ذریعے جامعہ میں اردو کے نمبر کو لازمی انگریزی کے مساوی گریڈ میں جوڑنے کا حکم صادر کیا تھا، مگر آج تک اس آرڈیننس کا نفاذ نہیں کیا گیا۔ جامعہ کا یہ آرڈیننس کہتا ہے کہ لازمی اردو کے نمبر، لازمی انگریزی کی طرح گریڈ میں جوڑے جائیں گے مگر برسوں سے لازمی اردو کو کوالیفائنگ نیچر کا بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ طالبِ علم لازمی اردو کو غیر سنجیدگی سے لیتے ہیں اور کلاس میں حاضر ہونا بھی انھیں جبر محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے مزید کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسی تاریخی دانش گاہ میں ایک مضبوط اردو مخالف لابی کام کر رہی ہے۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کا مطالبہ ہے کہ کئی سال سے سردخانے میں ڈال دیے گئے اس آرڈیننس کو فی الفور نافذ العمل بنایا جائے اور بھارت میں گنگا جمنی تہذیب کو نہ صرف تقویت دینے کام کام کیا جائے بلکہ اردو داں عوام کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اردو کے حوالے سے ہمارے مطالبات کو ترجیح دی جائے۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

ٹی جی ٹی اردو امتحان کا منسوخ ہونا افسوسناک

ڈاکٹر ادریس

نئی دہلی (27 اگست)۔ دہلی ریاستی مسلم مجلس مشاورت کے کارگزار صدر ڈاکٹر ادریس قریشی نے دہلی اسٹیٹ سب آرڈینیٹ سروسز بورڈ کے ذریعے ٹی جی ٹی امتحان منسوخ ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ عین وقت پر امتحان منسوخ ہونے سے جو امیدوار تیاری کر رہے تھے، ان کو بہت تکلیف پہنچی ہے، کیوں کہ موجودہ وقت میں بے روزگاری اپنے عروج پر ہے اور امیدوار سرکاری نوکری کے لیے بڑی محنت سے تیاری کرتے ہیں اور ایسے حالات میں جب امتحانات منسوخ ہوجاتے ہیں تو ایک مایوسی ان کے چہروں پر آجاتی ہے۔ بہت سے لوگ تو مایوس ہوکر اس سے علاحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور ان کی پوری زندگی خراب ہوجاتی ہے، امیدواروں کا تعلیم حاصل کرنے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہتا ہے۔ ڈاکٹر ادریس قریشی نے مزید کہا کہ میرا ان بچوں کو مشورہ ہے کہ پوری محنت اور لگن کے ساتھ اس تیاری میں مصروف رہیں، کامیابی ضروری ہاتھ آئے گی۔ حکومت کو اس طرح کا فیصلہ لینے سے قبل ان امیدواروں کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے جو ایسے گھروں سے آتے ہیں، جن کے پورے خاندان انہی کی آمدنی پر منحصر ہوتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ جو لوگ اس امتحان کی منسوخی میں ملوث پائے جائیں ان کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کی جائے، تاکہ وہ آئندہ اس طرح کا قدم نہ اٹھائیں۔ (انقلاب۔ دہلی)

صدر مدرس کے جانبدارانہ رویّے سے اردو طلبہ کا نقصان

مدھوملنچہ گورنمنٹ اسکول میں اردو اساتذہ کے تقرر کا مطالبہ

نظام آباد (30 اگست) جمعیۃ علماے ہند ضلع نظام آباد کے وفد نے حضرت مولانا سید سمیع اللہ قاسمی کی سرپرستی میں ضلع کلکٹر و مجسٹریٹ نظام آباد سے ملاقات کرتے ہوئے مدھوملنچہ گورنمنٹ ہائی اسکول شکرنگر بودھن میں پہلی زبان اردو کے تحت تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کے داخلے شروع کرنے اور موجودہ مسلم طلبہ کے لیے اردو اساتذہ کے تقرر کرنے سے متصل تفصیلی یادداشت پیش کی۔ ضلع کلکٹر نے متعلقہ عہدیدار DEO سے فون پر رابطہ قائم کرتے ہوئے ہدایت دی کہ وہ مذکورہ اسکول میں اردو پہلی زبان کی حیثیت سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کے داخلوں میں ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے سہولیات بہم پہنچائیں۔ اس کے علاوہ ہائی اسکول میں فوری اردو ٹیچر کی فراہمی سے متعلق بھی دریافت کیا۔ مدھوملنچہ گورنمنٹ ہائی اسکول شکرنگر بودھن کے ہیڈ ماسٹر کے مخالف اردو رویّے کے نتیجے میں تعلیمی سال کے شروع میں نہ صرف اردو بہ حیثیت لینگویج پڑھنے سے محروم کردیا گیا بلکہ متعلقہ اردو ٹیچر کا بھی دوسری جگہ تبادلہ کردیا گیا۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ مذکورہ علاقے میں تعلیم حاصل کرنے والے 95% طلبہ ایسے ہیں جو اردو کو بذریعۂ فرسٹ لنگویج پڑھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہیڈ ماسٹر کے جانبدارانہ رویّے سے طلبہ و طالبات کو نقصانات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لہٰذا جمعیۃ علماے ہند ضلع نظام آباد کے ذمہ داروں کو جب اس سلسلے میں معاملے کی اطلاع ہوئی تو وہ فوری اس جانب توجہ دیتے ہوئے متعلقہ عہدیداران سے ملاقات کرتے ہوئے معاملے کی یکسوئی سے متعلق یادداشت پیش کی۔ مولانا سید سمیع اللہ قاسمی نے طاہر بن حمدان (صدر اردو اکیڈمی تلنگانہ) سے فون پر رابطہ کرتے ہوئے انھیں اردو ٹیچر کی بحالی سے متعلق تفصیلات سے آگاہ کرنے پر انھوں نے اردو ٹیچر کے فوری تقرر اور از خود متعلقہ اسکول کا دورہ اور معائنہ کرنے کی حامی بھری۔ مولانا نے بتایا کہ متعلقہ مسئلہ کی یکسوئی کے سلسلے میں جمعیۃ کا ایک وفد عنقریب محمد علی شبّیر (مشیر حکومتِ تلنگانہ) سے ملاقات کرے گا۔ اس موقع پر وفد میں حافظ محمد افسر مظہری (بودھن) حافظ محمد عقیل الدین انجینئر (بودھن) سید معراج (شکرنگر) حافظ عبدالولی مظہری اور حافظ محمد ابراہیم و دیگر موجود تھے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

بچکنڈہ گورنمنٹ ہاسپٹل کے سائن بورڈ پر اردو سے مذاق

بچکنڈہ (30 اگست) مستقر بچکنڈہ واقع 30 بستر والے گورنمنٹ ہاسپٹل کے سائن بورڈ پر اردو تحریر ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ تفصیلات کے بموجب گورنمنٹ ہاسپٹل جو تیس بستر پر مشتمل ہے، کے سائن بورڈ پر تلگو اور انگریزی کے ساتھ اردو کے الفاظ بھی دیکھے جاسکتے ہیں لیکن بورڈ پر توجہ مرکوز کرنے پر ایک قسم کی تشویش پائی جارہی ہے جو مذاق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بچکنڈہ کے کئی سرکاری دفاتر کے سائن بورڈوں سے اردو غائب ہے تو دوسری طرف سائن بورڈ پر اردو کو مذاق بنایا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حکومت نے اردو زبان کا مکمل تحفظ ختم کردیا۔ بچکنڈہ ہاسپٹل کے سائن بورڈ پر انگریزی اور تلگو میں ناموں کو درست اور صحیح لکھا گیا ہے جب کہ اردو تحریر اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ جس سے اردو کا مذاق سمجھ میں آرہا ہے جو تشویشناک ہے۔ حکومت کو اور ریاستی وزیرِ صحت کو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بورڈ پر یہ لکھا ہے ’ع م ت ج م ل ۃ ع ص ز ور م‘ آخر اس کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ حکومت واضح کرے۔ حکومتِ نے تلنگانہ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے لیکن اس کے باوجود اردو کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ اب ریاستِ تلنگانہ میں کانگریس پارٹی کا اقتدار ہے۔ امید ہے کہ اردو سے لاپرواہی ختم ہوگی اور اعلا حکام اور عوامی نمائندے اردو زبان کا مکمل تحفظ کرتے ہوئے عملی جامہ پہنائیں گے۔ بچکنڈہ کے ہاسپٹل کے سائن بورڈ کو ہٹا کر درست اردو تحریر کے ذریعے دوسرا سائن بورڈ نصب کرنے کیا قدام کیے جائیں۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

جگتیال اردو میڈیم اسکول سے سوتیلا سلوک

طلبہ کو سہولیات کا فقدان، عمارت کھنڈر میں تبدیل

جگتیال (29 اگست)۔ ضلع جگتیال میں گورنمنٹ اردو میڈیم اسکول کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا جا رہا ہے۔ طلبہ کے لیے بنیادی سہولت کا فقدان ہے۔ جناب عبدالباری (صدر ملتِ اسلامیہ جگتیال)، نے گورنمنٹ اپر پرائمری اسکول اردو میڈیم جمی گڈہ جگتیال کا دورہ کیا اور تفصیلی جائزہ لے کر حیرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے ضلع کلکٹر سے اسکول میں بنیادی سہولیات فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ ریاست بھر میں اماں آدرش پاٹھ شالہ کے نام پر بڑے پیمانے پر اسکول کے آغاز سے قبل لاکھوں روپیوں کے صرفے سے تمام بنیادی سہولیات کی فراہمی کے لیے جنگی پیمانے پر تعمیراتی و مرمتی کام کیے گئے، مگر اس میں اس اسکول کو شامل نہیں کیا گیا۔ یہی نہیں دو سال قبل ’ہمارا گاؤں ہمارا اسکول‘ کے نام سے اسی اسکول میں 5 لاکھ روپیوں کے تعمیراتی کام انجام دیے گئے مگر اس کے باوجود اس اسکول کی عمارت میں تعلیم گاہ نہیں، بلکہ جانوروں کو رکھنے کی جگہ محسوس ہو رہی ہے۔ نیچے فرش نہیں، بیٹھنے کے لیے فرنیچر نہیں، اسکول میں گندہ پانی جمع ہے۔ ایسی عمارتوں میں والدین کیسے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے بھیجیں گے۔ سیاسی قائدین کو بارہا توجہ دلانے کے باوجود عملی اقدام نہیں کیے جاتے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن ترقی اردو (ہند)

قیمت: 300 روپے

اردو دو سائن بورڈ کے خلاف عرضی پر سپریم کورٹ کی سرزنش قابلِ ستائش

پٹنہ (18 اگست)۔ امیرِ شریعت بہار، اڈیشہ، جھارکھنڈ و مغربی بنگال مولانا احمد ولی فیصل رحمانی نے کہا کہ سپریم کورٹ میں اردو سائن بورڈ کے خلاف عرضی پر جسٹس سودھانشو دھولیا اور جسٹس امان اللہ کی برہمی قابلِ ستائش اور اطمینان کا باعث ہے۔ ملک جن حالات سے گزر رہا ہے اس میں غیر ہم آہنگ سوال پر جج صاحبان کی طرف سے تیکھے تیور اور خیر اندیش سرزنش سے نہ صرف ملک کے امن پسند شہریوں کو اطمینان وسکون محسوس ہوگا، بلکہ عدالتِ عالیہ کے تئیں اعتماد و وقار میں قابلِ قدر اضافہ بھی ہوگا۔ امیرِ شریعت نے مزید کہا کہ جمہوری ملک میں عدالتوں کا کردار اہم ہوتا ہے، جہاں جمہوری قدروں کو راہ ملا کرتی ہے۔ امید ہے حالیہ واقعے میں سپریم کورٹ کے جج صاحبان انصاف اور عدالتِ عالیہ کی لاج بچانے میں مثبت کردار ادا کریں گے۔ واضح رہے کہ بلدیہ پاتور (اکولہ ڈسٹرکٹ، مہاراشٹر کے اردو دسائن بورڈ کو ہٹانے کی مانگ کی گئی تھی جس پر ججوں نے سخت اعتراض ظاہر کیا ہے۔ عدالت نے درخواست گزار سے سوال کیا کہ انھیں اردو زبان سے کیا مسئلہ ہے؟ بلدیہ کا نام مراٹھی کے ساتھ اردو میں بھی لکھا ہوا ہے۔

درخواست پر جسٹس سدھانشو دھولیا اور جسٹس احسان الدین امان اللہ کی بینچ سماعت کر رہی تھی۔ لیگل نیوز کے معروف پورٹل بار اینڈ بنچ کے مطابق، جسٹس سدھانشو دھولیا اور جسٹس امان اللہ کی بینچ نے درخواست گزار کو بتایا کہ بھارتی آئین کی 8 ویں فہرست میں اردو بھی خصوصیت کے ساتھ شامل ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ اردو کے استعمال سے کسی کو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ سپریم کورٹ نے مہاراشٹر حکومت کو اس حوالے سے اپنا موقف واضح کرنے کی ہدایت دی۔ اس معاملے میں مزید سماعت 9 ستمبر کو ہوگی۔ بینچ بمبئی ہائی کورٹ کی ناگپور بنچ کی طرف سے 10 اپریل کو جاری حکم کے خلاف دائر اپیل پر سماعت کر رہی تھی۔ رپورٹ کے مطابق تب ہائی کورٹ نے کہا تھا کہ اداروں میں ریاستی زبان کے ساتھ کسی بھی زبان میں سائن بورڈ لگانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اطلاع کے مطابق درخواست گزار نے سائن بورڈ ہٹانے کے لیے اکولہ ضلع مراٹھی زبان کمیٹی کے صدر کو ہدایت جاری کرنے کے لیے عدالت کا رخ کیا تھا۔ ہائی کورٹ کو یہ بتایا گیا تھا کہ مہاراشٹر الوکل اتھارٹیز (آفیشل لینگویج) ایکٹ، 2022 کے تحت شہری اتھارٹیز کے بورڈ پر مراٹھی کے علاوہ دیگر زبانوں کا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ (قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو مشاورتی کمیٹی اور بہار اردو اکادمی کی تشکیلِ نو کا مطالبہ

حاجی پور (21 اگست)۔ اردو ایکشن کمیٹی ضلع ویشالی کے صدر ماسٹر محمد عظیم الدین انصاری، ڈاکٹر عظیم انصاری، ڈاکٹر جمال انصاری اور محمد افروز عالم نے اخباری بیان جاری کر کے بہار اردو اکیڈمی اور اردو مشاورتی کمیٹی کی تشکیلِ نو نہیں کیے جانے پر سخت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حکومتِ بہار سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اردو کے ان دو اہم اداروں کی فوری تشکیلِ نو کرے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اردو اکیڈمی اور اردو مشاورتی کمیٹی بہار میں اردو کے دو بڑے ادارے ہیں جن کا کام اردو کی ترقی اور توسیع ہے۔ لیکن گذشتہ چھ برسوں سے ان دونوں اردو کے اداروں کو معطل کر رکھا ہے جس سے بہار کی دو کروڑ کی اردو آبادی میں ناراضگی اور مایوسی پائی جاتی ہے۔ ان محبانِ اردو نے یہ بھی کہا کہ محکمۂ تعلیم کے مکتوب نمبر 1055 مورخہ 15 مئی 2020 کے ذریعے میٹرک تک اردو کی تعلیم کو بری طرح متاثر کر دیا گیا ہے۔ اس مکتوب کی وجہ سے اب میٹرک تک اردو کی تعلیم اور اردو اساتذہ کی بحالی تقریباً روک دی گئی ہے۔ اس کے لیے اسکول کے مانک منڈل میں ایک اردو ٹیچر کے اضافے کا مطالبہ گذشتہ چار برسوں سے کیا جا رہا ہے تاکہ میٹرک تک بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو کی تعلیم کو یقینی بنایا جا سکے۔ لیکن سرکار اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہی ہے اور اردو آبادی کے بچے اپنی مادری زبان کی تعلیم سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ بہار کی اردو آبادی کے لیے یہ بات بہت ہی تشویش ناک ہے۔ اسی طرح 12 ہزار اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے امیدواروں کو 2015 میں پاس کر کے پھر فیل کر دیا گیا جو کسی طرح سے منصفانہ عمل نہیں ہے۔ آج 12 ہزار اسپیشل ٹی ای ٹی اردو کے امیدوار در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔ یہ سب کے سب لائق اور فائق امیدوار ہیں جن کی بے روزگاری اور بدحالی دیکھ کر اردو آبادی میں سخت مایوسی ہے۔ بہار کے زیادہ تر اسکولوں میں اردو کے ٹیچر نہیں ہیں جب کہ حکومت کئی برسوں سے یہ یقین دہانی کرتی آ رہی ہے کہ بہار کے سبھی اسکولوں میں ایک اردو ٹیچر بحال کیے جائیں گے۔ اسکولوں میں اردو کے اساتذہ نہیں ہونے کے سبب اردو کی تعلیم نہیں ہو رہی ہے۔ اسکولوں میں اردو کی تعلیم نہیں ہونے کی وجہ سے میٹرک کے بعد بچے اردو نہیں پڑھتے ہیں جس کے سبب کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے خالی رہ جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اردو کا مستقبل تاریک ہو رہا ہے اس پر حکومت کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو ہے، اس کا تحفظ اور فروغ حکومتِ بہار کی ذمہ داری ہے لیکن گذشتہ کئی برسوں سے بہار میں اردو حکومت کی سطح سے نظر انداز کی جا رہی ہے، اس سے اردو آبادی میں ایک غلط پیغام جا رہا ہے۔ سرکار کو چاہیے کہ اردو کے حق میں فوری اقدام کرے اور اس کے تمام مسائل کو حل کرے۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

سرکاری اسکول میں اردو کا مضمون دوبارہ پڑھانے کی منظوری

نئی دہلی (30 اگست) ایک اسکول میں بچوں کو اردو نہ دیے جانے پر فیڈریشن فار ایجوکیشن ڈیولپمنٹ کے کنویز ارشد چودھری نے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن اور ڈی سی پی سی آر (دہلی کمیشن فار پروٹیکشن آف چائلڈ رائٹس) کو ایک خط لکھا جس میں اسکول کے پرنسپل اور ڈی ڈی ای زون 5 سے جواب طلب کیا گیا۔ اس کے علاوہ ڈی سی پی سی آر نے 6 اگست کو فیڈریشن کو میل کے ذریعے مطلع کیا تھا کہ کمیشن اس معاملے کی تحقیقات کر رہا ہے۔ اس مہم کا اثر یہ ہوا کہ اسکول میں اردو کی پڑھائی دوبارہ شروع ہوگئی ہے۔ آر ٹی ای ایکٹ 2009 اور قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے مطابق بچوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس موقعے پر جنرل سکریٹری ماسٹر شکیل احمد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تنظیم اردو اور پنجابی کے ساتھ ساتھ اردو اور پنجابی کی تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند بچوں کی ترقی کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھے گی اور انھیں اپنے داخلہ فارم میں اردو اور پنجابی کا آپشن پُر کرنا ہوگا۔ فیڈریشن کے سکریٹری سہیل اختر نے یہ کام تیزی سے کرنے پر ڈائرکٹر ایجوکیشن اور ڈی سی پی سی آر کی تعریف کی۔ فیڈریشن کی ٹیم دلشاد خان، دیویندر کمار، برجیش کمار، ایڈوکیٹ مجمل حسن وغیرہ نے اس کام کو مکمل کرنے اور بچوں کو ان کے حقوق دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (انقلاب۔ دہلی)

آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کو دوبارہ شروع کیا جائے

دیوبند (29 اگست)۔ یوپی رابطہ کمیٹی کے سکریٹری ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے آل انڈیا ریڈیو اردو سروس بند کیے جانے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے دوبارہ بحال کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ آج یہاں ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے اخبار کو جاری اپنے ایک بیان میں کہا کہ آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کا آغاز 1965 میں وزارتِ نشریات نے وزارتِ خارجہ کے مشورے سے کیا تھا، جس کا مقصد عوام کا عوام سے رابطہ تھا، یہ سروس ہندستان اور پاکستان کے عوام کے درمیان ایک مضبوط پُل کا کام کرتی تھی اور اس کے سامعین ہر طبقے، ہر مذہب اور ہر فکر کے لوگ سرحد کے اس طرف بھی اور اس پار بھی بڑی تعداد میں ہیں۔ اس سروس کا مقصد سوفٹ پروپیگنڈہ (Soft propaganda) بھی تھا۔ پاکستان کو اس کی اوقات بتانا اور لوگوں کو یہ احساس دلانا کہ اس پار جا کر تم نے کیا کیا کھویا ہے۔ اردو سروس سے نشر ہونے والے مشاعرے، مباحثے، سائنس کے پروگرام، کھیلوں کی معلومات، حالاتِ حاضرہ کے پروگرام غرض کہ ہر طرح کے پروگرام یہاں سے نشر ہوتے تھے، جو نہ صرف تفریحِ طبع کے ساتھ ساتھ معلومات کے اضافے کا سبب بھی بنتے تھے اور ریڈیو کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اس کی اپنی مادری زبان میں معلومات فراہم کرائی جائے۔ انھوں نے کہا کہ اردو سروس کے پروگراموں نے نہ صرف اسٹوڈیوز بلکہ پوڈکاسٹ کے ذریعے بھی لوگوں میں زندگی کے تئیں امید کی کرن کا کام کیا اور لوگوں میں زندگی کے تئیں دل چسپی پیدا کی۔ اردو سروس کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے سامعین میں ہر مذہب کے لوگ شامل ہیں اور پروگراموں کو باقاعدگی سے سنتے ہیں اور مختلف پروگراموں میں شریک بھی ہوتے ہیں اور جب سے یہ سروس موبائل ایپ پر دستیاب ہوئی ہے، تب سے نیپال سے لے کر امریکہ تک اور پاکستان سے لے کر یوگانڈا تک ہر جگہ اس کے سننے والے موجود ہیں۔ بدقسمتی سے آکاش وانی کی سابق ڈی جی نے اردو دشمنی کی بنا پر اس کے پروگراموں کی ریکارڈنگ پچھلے سال اپریل میں یکلخت بند کر دی تھیں۔ اردو سروس سے نیوز کے شعبے کے ہندی پروگرامس کو چلانے کا حکم دے دیا تھا، جو ہنوز ابھی تک جاری ہے۔ اردو والوں کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے اور یہ ذمہ داری کسی ایک شخص یا ادارہ کی نہیں ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ اس کی ذمہ داری ہے تو وہ اس کے پروگراموں کو بحال کیے جانے کے لیے آواز بلند کرے اور خاص طور پر دہلی کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور پروفیسروں کی ذمے داری اور بھی زیادہ ہے، کیوں کہ یہ لوگ متواتر اردو سروس کے پروگراموں میں شریک ہوتے رہے ہیں۔ بہرحال ہم سب ایک آواز میں وزارتِ اطلاعات ونشریات، پرسار بھارتی اور حکومتِ ہند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اردو سروس کے پروگراموں کو دوبارہ بحال کیا جائے، تاکہ اردو والے اپنی مادری زبان میں ریڈیو پروگراموں کا لطف لے سکیں۔ (اردو ٹائمز۔ ممبئی)

میرؔ کے یہاں ایک پُرفریب سادگی ہے اور ان کے الفاظ میں بہت سے شیڈس ہیں: پروفیسر قاضی جمال حسین

'چلو ٹک میر کو سننے' کے عنوان سے دو روزہ قومی سمینار کا افتتاح

نئی دہلی (10 اگست، پریس ریلیز)۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی اور شعبۂ اردو جامعہ ملیہ، اسلامیہ نئی دہلی کے اشتراک سے دوروزہ قومی سمینار بعنوان 'چلو ٹک میر کو سننے' کا انعقاد سی آئی ٹی آڈیٹوریم جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں کیا گیا۔ اس کے افتتاحی سیشن میں مقررین نے میر کے شعری امتیازات، خصوصیات اور اسلوبیات پر پُرمغز گفتگو کی اور میر کے فنی اور فکری جہات اور زاویوں پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اس موقعے پر افتتاحی کلمات صدر شعبۂ اردو، جامعہ اسلامیہ پروفیسر احمد محفوظ نے پیش کیے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ادب کا تصور میر کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ میر ہمارے اجتماعی حافظے کا حصہ ہیں۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے خیر مقدمی کلمات ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ**
مصنف : ڈاکٹر ابراہیم افسر
ضخامت : 288 صفحات
قیمت : 499 روپے
ناشر : جی.این.کے پبلی کیشنز، جموں وکشمیر
تبصرہ نگار : اسامہ ارشاد معروفی قاسمی

ڈاکٹر ابراہیم افسر کی شناخت ویسے تو رشید شناسی کے ماہر کی حیثیت سے ہے اور اب تک رشید حسن خاں کے تعلق سے موصوف کی ایک درجن کے قریب کتابیں شائع ہوکر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں؛ لیکن زیرِ تعارف کتاب 'احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ' فراز کے حوالے سے ابراہیم افسر کی دوسری کتاب ہے، اس سے قبل پہلی کتاب 'احمد فراز کے انٹرویو' 2023 میں شائع ہوئی تھی اور اب پیشِ نظر کتاب نئے سال کی سوغات کے طور پر 2024 میں منظرِ عام پر آئی ہے، امید ہے کہ سابقہ کتابوں کی طرح یہ بھی پذیرائی حاصل کرے گی۔ 'احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ' ('خواب گل پریشاں ہے' کے حوالے سے) دراصل ابراہیم افسر کے 'ایم فل' کا مقالہ ہے جسے موصوف نے 2009 میں تحریر کیا تھا۔ موصوف احمد فراز کی شاعری سے اپنی دلچسپی اور ایم فل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''احمد فراز کی شاعری سے مجھے دلچسپی اس وقت ہوئی جب میں ایم.اے سال دوم کا طالبِ علم تھا، میرے کئی ہم جماعت کلاس کے دوران فراز کی غزلوں کے چند اشعار گنگناتے رہتے تھے۔ استادِ محترم ہم لوگوں کو جدید شاعری کے بجائے کلاسیکی شاعری کے نکات زیادہ سمجھاتے تھے۔ ایم.اے کے بعد تلاشِ معاش کے دوران احمد فراز کی شاعری کو پڑھنے کا موقع ملا۔ بی بی سی اردو سروس اور اُردو ہندی اخبارات و رسائل میں اکثر فراز کی شاعری پر گفتگو ہوتی تھی۔ آل انڈیا ریڈیو اور ایف.ایم پر فراز کے شعر کوٹ کیے جاتے۔ یہیں سے میری دلچسپی فراز کی شاعری میں مزید بڑھ گئی۔ 25 اگست 2008 کو فراز کے انتقال کے بعد ان کی شاعری اور شخصیت پر اخبارات و رسائل میں گوشے نکالے گئے، ان گوشوں کو پڑھنے کے بعد مجھے اپنے محبوب شاعر کو جاننے کا زیادہ موقع ملا۔ جب راقم الحروف نے 2009 میں چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ کے شعبۂ اردو میں ایم.فل میں داخلہ لیا اور مجھ سے معلوم کیا گیا کہ آپ کس ادیب یا شاعر پر مقالہ تحریر کروگے؟ تو میں نے برجستہ احمد فراز کا نام لیا۔ استادِ محترم پروفیسر اسلم جمشید پوری نے بہ خوشی مجھے احمد فراز کے شعری مجموعے 'خوابِ گل پریشاں ہے' پر کام کرنے کی اجازت دی۔ احمد فراز کی شاعری کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے ہم عصر شاعروں کے مقابلے احتجاج اور مزاحمت کو اپنا شیوہ بنایا۔ جہاں ایک جانب انھوں نے رومانوی غزلیں کہیں وہیں دوسری جانب اپنی نظموں میں حاکمِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیکھے اور چبھتے سوال بھی دریافت کیے، اسی منفرد انداز نے انھیں بامِ عروج عطا کیا۔'' (ص:21)

احمد فراز کی شاعری اس دور کی شاعری ہے جب ترقی پسند تحریک رو بہ زوال تھی، ان کی شاعری عشق ومحبت کے جذبات کے ساتھ اپنے اندر انقلابی اور رومانوی کیفیات بھی سموئے ہوئے تھی، ان کی شاعری میں جو احتجاج اور مزاحمت ہے وہ ان کی سچی تخلیقی فکر اور باطنی شعور کا مظہر ہے، ان کی غزل ونظم میں رچاؤ کی کیفیت ہے، لہجہ میں حلاوت ہے، زبان کا معیار بہت اعلا ہے، مصرعوں کی بندش چست اور طرزِ بیان نہایت دلکش ہے، ان کی شاعری میں جذبے کی تڑپ اور احساس کی شدت ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں آمرانہ نظام، آمرانہ مزاج اور آمرانہ رویوں کی بھرپور مزاحمت کی، انھوں نے جمہوریت، آزادی اور شہری حقوق کا اس دور میں ساتھ دیا جب ان کا ملک پُر آشوب دور سے گزر رہا تھا، انھوں نے ہمیشہ سچائی کا ساتھ دیا، حقیقت سے آنکھیں نہیں چرائیں بلکہ ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا، اس کیفیت میں قنوطیت نہیں پیدا ہونے دی بلکہ حقیقت کے احساس کی اس کیفیت کو کم کرنے کے بجائے تحریک میں بدل دیا، اور اپنے قلم سے آمریت کے کھوکھلے امن وسکون کی فضا کے تلے طوفانوں کی آگہی کراتے رہے، ان کی شاعری میں طنز کی لہر بہت تیز تھی، انھوں نے سیاسی نظام کو گہرے طنز کا نشانہ بنایا، جمہوری حکومت کے پس پردہ فوجی حکومت ان کی مشہور نظم 'پیشہ ور قاتلو!' کو برداشت نہیں کرسکی، ان کو اپنے سیاسی نظریات پر پابند رہنے اور جذبۂ حریت پسندی کی پاداش میں سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔

زیرِ تعارف کتاب میں ڈاکٹر ابراہیم افسر نے احمد فراز جیسے نامور شاعر کے کلام، ان کے معاصرین، ہندوپاک کے شعری ماحول وغیرہ پر تنقیدی گفتگو کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے، انھوں نے فراز کے شعری مجموعہ 'خوابِ گل پریشاں ہے' کے حوالے سے اردو شاعری میں احمد فراز کے مقام ومرتبہ کا تعین کرنے کی حتی الامکان سعی کی ہے۔ ابراہیم افسر 'خوابِ گل پریشاں ہے' کی پہلی نظم 'انتساب' کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خواب گل پریشاں ہے کی پہلی نظم 'انتساب' ہے۔ انتساب کے لغوی معنی رشتے داری یا منسوب کرنے کے ہیں۔ فراز نے اس مجموعے کی پہلی نظم کو 'انتساب' نام دے کر قارئین سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ فراز نے 'انتساب' نظم کو نظم معرا کی ہیئت میں لکھتے ہوئے زمانے کو مخاطب کیا ہے۔ دراصل فراز کے سامنے زمانے کی یلغار کے علاوہ عشق ومحبت کے عہد نامے بھی تھے۔ فراز نے خود کے لیے جس دنیا کا تصور کیا ہوا تھا وہ انھیں میسر نہیں ہوئی، اس لیے انھوں نے زمانے کے غم کو ذاتی غم بنا کر 'انتساب' کی شکل میں پیش کیا۔ اس نظم میں فراز نے ناساز مراسم کو سنوارنے کی روداد کو دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ عشق کی ناکامی کے بعد ایک دوسرے پر جاں نثار کرنے کے بیان سے اس نظم کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ فراز نے خراب تعلقات کو ازسرِنو درست کرنے کی تلقین، نصیحت اور تجویز قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔ وہ اس نظم میں دوستوں اور ہم سایوں سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑنا ہمارا فرض ہے۔ انھوں نے اس نظم میں ایسے معاشرے کا تصور کیا ہے جس میں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کی جائے اور جہاں نفرتوں کو کوئی جگہ نہ ہو وہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ معاشرے میں ایک دوسرے کی تضحیک کرنے کے درپے ہیں ایسے لوگوں کے دلوں میں محبت کے جذبے کا صور پھونکا جائے۔ فراز کی نظر میں جذبات کی قدر کرنا سب سے بڑا انسانی فرض ہے، اس لیے انھوں نے یاس ومحرومی کے بجائے نشاط وامید کو فوقیت دی۔ فراز نے ہمیشہ پاکیزہ رشتوں اور سچے جذبوں کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔'' (ص:135)

زیرِ نظر کتاب (احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ 'خواب گل پریشاں ہے' کے حوالے سے) کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بابِ اول میں احمد فراز کا شعری منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ان کے ہم عصر شاعروں مثلاً فیض، ناصر کاظمی، احمد ندیم قاسمی، شہریار، پروین شاکر، ندا فاضلی، مظہر امام، اختر الایمان اور منیر نیازی کی شاعری پر مختصراً گفتگو کی گئی ہے تاکہ احمد فراز کے دور کا شعری منظر نامہ واضح ہوجائے۔ **بابِ دوم** میں احمد فراز کے احوال وکوائف اور حالاتِ زندگی کو بیان کیے گئے ہیں۔ اس باب میں احمد فراز کی پیدائش سے لے کر انتقال تک ان کی ادب کے تئیں مصروفیات، مشغولیات کا مختصراً جائزہ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ساتھ میں یہ بتانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ وہ کون سے عوامل اور جذبہ کارفرما تھے جن میں فراز کی شاعری نے جنم لیا اور عوام وخواص کے دلوں میں گھر بنایا۔ **بابِ سوم** میں احمد فراز کے شعری مجموعوں کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ **بابِ چہارم** میں احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ 'خوابِ گل پریشاں ہے' کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اس باب میں احمد فراز کی غزلیہ اور نظمیہ شاعری پر علاحدہ علاحدہ تنقیدی گفتگو کی گئی ہے، اس باب کے ذریعے ابراہیم افسر نے احمد فراز کی احتجاجی اور انقلابی شاعری میں تشبیہات اور استعاراتی زبان پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ ساتھ ہی ان کی شاعری میں موجود امن، مساوات، اخوت اور دوستی کے پیغام کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ **بابِ پنجم** میں اردو شاعری میں احمد فراز کے مقام ومرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔ بقولِ مصنف ''یہ باب تمام ابواب کا نچوڑ ہے، اس باب میں احمد فراز کے فن اور کلام پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔'' علاوہ ازیں اس باب میں فراز کی شاعری وشخصیت پر گلزار، فراق وفیض سمیت 16 مشاہیر کی آرا شامل ہیں، اور وفات کے بعد 12 مشاہیر کے تأثرات کو جگہ دی گئی ہے، جس سے اس باب کی اہمیت وافادیت اور بڑھ گئی ہے۔ یہاں پر میں فراق گورکھپوری اور فیض احمد فیض کی آرا کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن سے فراز کا مقام ومرتبہ سمجھنے میں قارئین کو مزید آسانی ہوگی:

''احمد فراز کی شاعری اردو میں ایک نئی اور انفرادی آواز کی حیثیت رکھتی ہے، ان کے وجدان کی اور جمالیاتِ شعور کی ایک خاص شخصیت ہے جو نہایت دلکش خدوخال سے مزین ہے، ان کے سوچنے کا انداز نہایت حساس اور پُرخلوص ہے، ان کی شاعری کو صرف کلاسیکی یا صرف رومانی شاعری نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ دورِ حاضر کے لطیف ذہنی ردعمل کا سچا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔ وہ صداقت کے نئے مقامات سے اپنی باتیں کہتے ہیں اور یہ باتیں دعوتِ فکر دیتی ہوئی حد درجہ دلکش و دل نشیں ہیں ان کا کلام اردو شاعری کے نئے موڑ کے کئی نازک زاویوں کی لچک اور تھرتھراہٹیں اپنے اندر رکھتا ہے اور خیال کی ترتیب وتہذیب کا کافی سامان بھی اس میں موجود ہے۔''
(فراق گورکھپوری)

''فراز کے کلام میں خیال اور جذبے کا قالب اور شعر اور لباس الگ الگ دکھائی نہیں دیتے، آپس میں پیوست ہیں۔ شاعر کو یہ بات تب نصیب ہوتی ہے جب اس کا جذبہ اور اس کا فن دونوں یکساں پُرخلوص اور سچے ہوں۔ یہ خلوص، گداز اور سچائی احمد فراز کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں، اسی خلوص کی وجہ سے یہ حدیث دل کے علاوہ زندگی کی وسیع تر حقانیت کا بیان بھی ویسی ہی خوبی اور لگن سے کرتے ہیں۔ بیک وقت غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی وسیع دنیاؤں سے آگہی اور اس کی مؤثر تفسیر مشکل کام ہے۔ احمد فراز اس کام میں بہت حد تک کامیاب ہیں۔'' (فیض احمد فیض) (ص:267)

احمد فراز کی شاعری کے حوالے سے کتاب کے مصنف ڈاکٹر

ابراہیم افسر کے نظریات کیا ہیں انھیں بھی دیکھ لیجیے، وہ لکھتے ہیں:

''احمد فراز کے نزدیک شاعری وقت گزارنے اور دل بہلانے کا ذریعہ نہیں تھی۔ فراز کے سامنے شاعری کا مقصد ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کرنا تھا۔ وہ ظلم عالمی سطح پر ہو یا فراز کے وطن پاکستان میں۔ ان کے قلم نے ہمیشہ سچ کا ساتھ دیا اور سچ لکھا۔ حق گوئی سے کبھی انھوں نے منہ نہیں موڑا۔ لال مسجد (پاکستان) میں ہونے والی فوجی کارروائی کے خلاف انھوں نے اپنے اعزازات وانعامات حکومتِ پاکستان کو واپس لوٹا دیے تھے۔ فراز نے اپنے انٹرویوز میں خودساختہ جلاوطنی، صوبہ بدری اوران کے قلم پر لگائی جانے والی پابندیوں کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ فراز نے عوام کے مسائل کی نمایندگی اپنی شاعری کے ذریعے کی۔ ملکی مسائل کے تدارک کے سلسلے میں ان کے کلام میں ایک طرح سے تیکھا طنز پنہاں ہوگیا ہے جب ان کی شاعری کا مطالعہ احتجاجی رنگ وآہنگ کے ساتھ کیا جاتا ہے تو ان کا مزاحمتی رنگ ہمارے اذہان میں پیوست ہوجاتا ہے۔ یہ کمال پیکرتراشی کا ہے جس میں فراز کو مہارت حاصل ہے۔ فراز کی رومانی شاعری بھی باغیانہ اور احتجاجی شاعری معلوم ہوتی ہے۔

احمد فرازؔ ترقی پسند تحریک سے متاثر ضرور ہوئے لیکن انھوں نے اس تحریک کے نظریات کو درکنار کرتے ہوئے اپنے دل کے جذبات کو کلام میں پیش کیا، ان کی شاعری میں درد کی کیفیت دیگر شعرا کے مقابلے زیادہ ملتی ہے۔ فراز غم کی دنیا کو ایک نئے انداز میں پیش کرنے کے ہنر سے بہ خوبی واقف ہیں۔ گذشتہ نصف صدی کے بعد جب ترقی پسند تحریک کا شیرازہ منتشر ہونے لگا تو شاعروں نے اس جمود سے اپنے آپ کو آزاد کیا۔ احمد فراز نے بھی خود کا اور شاعری کا رخ جدیدیت کی جانب کیا۔ 1960 کے بعد ابھرنے والے شاعروں میں موصوف کا نام ادب واحترام سے لیا جانے لگا۔ فراز نے اپنی زندگی میں ہی اک Legend کا مقام حاصل کرلیا تھا۔ یہ کم بڑی بات نہیں کہ شاعر کی حیات میں ہی اس کی قدرومنزلت میں اضافہ ہو۔'' (ص: 09-201)

بہرحال کتاب بہت ہی جامع اور مدلل انداز میں لکھی گئی ہے، گویا کتاب احمد فرازؔ کی شخصیت وشاعری کے حوالے سے ایک مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مصنف نے بڑی عرق ریزی اور دقتِ نظری سے کام لیتے ہوئے موضوع کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

◆◆

بقیہ: میرؔ کے یہاں ایک پُرفریب سادگی ہے اوران کے الفاظ میں بہت سے شیڈس ہیں

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

میں دوروزہ قومی سمینار کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے میر پر قومی اردو کونسل کی شائع کردہ کتابوں کے حوالے سے معلوماتی گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ تین صدی بعد میر تقی میر کو یاد کرنا تمام اردو والوں کا فریضہ ہے کیوں کہ میر ماورائے زمان ومکاں شاعر ہیں اوران کے کلام کا جادو کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتا۔ پروفیسر قاضی جمال حسین نے اپنے پُرمغز کلیدی خطبے میں میر تنقید کے کچھ حوالے دیے اور میر کے اسلوب کی سادگی اور روانی پر بھرپور روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ میر کے یہاں ایک پُرفریب سادگی ہے اوران کے الفاظ میں بہت سے شیڈس ہیں۔ میر نے اپنی زبان کی سادگی اور روانی پر فخر تو کیا ہے مگر استعارہ، علامت اورتشبیہ کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ ان کے یہاں زبان کی سطح پر اغلاق نہیں ہے اوران کے لفظ جامد نہیں ہیں بلکہ ان میں تحرک ہے۔ قاضی جمال حسین نے مزید یہ کہا کہ میر کو صرف اپنی ذات کی نہیں بلکہ سماج اور شہر کی بھی فکر لاحق تھی۔ ممتاز ماہرِ اقبالیات پروفیسر عبدالحق نے میر کے حوالے سے مختصر مگر جامع تقریر کی۔ انھوں نے کہا کہ میر کی شاعری میں جو فکری ارتفاعیت ہے وہ قابلِ غور ہے۔ افتتاحی سیشن کی صدارت کرتے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر پروفیسر محمد شکیل نے جامعہ میں میر سمینار کے انعقاد پر مسرت کا اظہار کیا اور نیک خواہشات پیش کیں۔ اس سیشن میں قومی اردو کونسل کی شائع کردہ تازہ ترین کتاب 'چلو ٹک میر کو سننے' اور شعبۂ اردو کے مجلّہ 'ارمغان' کے میر نمبر کا اجرا بھی ہوا۔

افتتاحی سیشن کے بعد پہلا تکنیکی اجلاس ساہتیہ اکادمی اردو مشاورتی بورڈ کے کنوینر جناب چندر بھان خیال اور پروفیسر قاضی افضال حسین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس سیشن میں جناب معصوم عزیز کاظمی، پروفیسر احمد محفوظ، پروفیسر اخلاق آہن اور پروفیسر عین تابش نے میر پر پُرمغز مقالے پیش کیے۔ معصوم عزیز کاظمی نے میر اور عہدِ میر کے حوالے سے اپنے مضمون میں یہ کہا کہ میر اپنے عہد اور ذات کے سب سے بڑے نوحہ خواں ہیں۔ پروفیسر احمد محفوظ نے میر کی سادگی میں پرکاری کے موضوع مقالہ پڑھا اور سادگی وپُرکاری، کثرتِ معانی، زبان وبیان کی دل کشی اور دیگر متعلقاتِ میر پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر اخلاق آہن نے میر کی فارسی شاعری پر مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ فارسی میں بھی میر کا جداگانہ طرز اور اسلوب تھا اور انھیں فارسی شاعری کے امتیازی اختصاص کا احساس بھی رہا ہے۔ پروفیسر عین تابش نے تفہیمِ میر کے مسائل ومتعلقات پر اپنے مقالے میں یہ واضح کیا کہ میر دل اور دلی کی بربادی کا نوحہ گر ہیں۔ ان کی شاعری میں بے پناہ وسعتیں ہیں اور ایک لامحدود تناظر ہے۔ اس اجلاس کے صدور چندر بھان خیال اور قاضی افضال حسین نے بھی میر تقی میر کے تعلق سے اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا۔ قاضی افضال حسین نے اپنے صدارتی خطبے میں تفہیمِ میر کے باب میں شمس الرحمٰن فاروقی کی تنقیدی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ میر کے تمام مسائل اور متعلقات پر جس طور پر فاروقی نے سوچا اور کلامِ میر کا تجزیہ کیا وہ شاید کسی اور کا مقدور نہیں تھا۔ اس سیشن کی نظامت ڈاکٹر شفیع ایوب نے کی۔

دوسرے سیشن کی صدارت پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی اور ڈاکٹر اطہر فاروقی نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر عبدالباری قاسمی نے انجام دیے۔ اس سیشن میں پروفیسر شہاب الدین ثاقب، ڈاکٹر عمیر منظر، پروفیسر مظہر احمد اور پروفیسر سرورالہدیٰ نے اپنے مقالے پیش کیے۔ اجلاس کے صدور نے میر تقی میر سمینار کے انعقاد پر قومی اردو کونسل اور شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مبارکباد پیش کی اور کہا کہ میر ایسے نابغہ شاعر ہیں جنھیں کسی بھی عہد میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد ایک مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر سید فاروق شریک ہوئے جب کہ صدارت چندر بھان خیال نے کی۔ اس موقعے پر شاعروں نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

استینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری

مولوی عبدالحق

قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میرؔ کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیرالدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرورالہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرورالہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

کرناٹک کے معروف شاعر سلیمان خمار کی یاد میں

ندیم صدیقی

دورِ جدید کے معروف اور کرناٹک کے ممتاز شاعر (اسّی سالہ) سلیمان خمار طویل علالت کے بعد 5 اگست 2024 کو بیجا پور (کرناٹک) میں انتقال کر گئے۔

سلیمان خمار یکم مارچ 1944 کو باگل کوٹ (کرناٹک) میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی بیجاپور ہی سے شروع کی اور کرناٹک حکومت کی باوقار ملازمت سے سبک دوش ہوئے اور بیجاپور جیسے تاریخی شہر ہی میں نہ صرف انھوں نے آخری سانس لی بلکہ اسی عادل شاہی سرزمین میں آسودۂ خاک بھی ہوئے۔

ترقی پسند تحریک کا آفتاب جب زرد ہو رہا تھا اور ادبی حلقوں میں جدیدیت کی لہر اٹھ رہی تھی تب سلیمان خمار بیجاپور (کرناٹک) کی سرزمین سے ادبی اُفق پر نمودار ہوئے۔ ان کی شعری تخلیقات ہندستان ہی میں نہیں بلکہ سرحد پار کے ممتاز جرائد میں بھی شائع ہوئیں۔ سلیمان خمار کی شعری پذیرائی کا ایک اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ اُن کا پہلا شعری مجموعہ ’تیسرا سفر‘ 1981 میں ماڈرن پبلشنگ ہاؤس (دہلی) نے شائع کیا تھا، جسے اُس وقت کے ممتاز شاعر کمار پاشی نے مرتب کیا تھا۔ سلیمان خمار کی دوسری شعری کتاب ’سمندر جاگتا ہے‘ 2009 میں کرناٹک اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام منظر عام پر آئی۔

سلیمان خمار کو 2009 میں کرناٹک اُردو اکادمی نے ان کی شعری خدمات پر خصوصی ایوارڈ بھی دیا جو دس ہزار روپے نقد، مومنٹو اور سپاس نامے پر مشتمل تھا۔

ان کے شعری محاسن کی پذیرائی کرنے والوں میں دورِ جدید کے ممتاز ناقد وارث علوی، ممتاز شاعر زبیر رضوی، ندا فاضلی، مظفر حنفی اور مخمور سعیدی جیسے اصحاب تھے۔

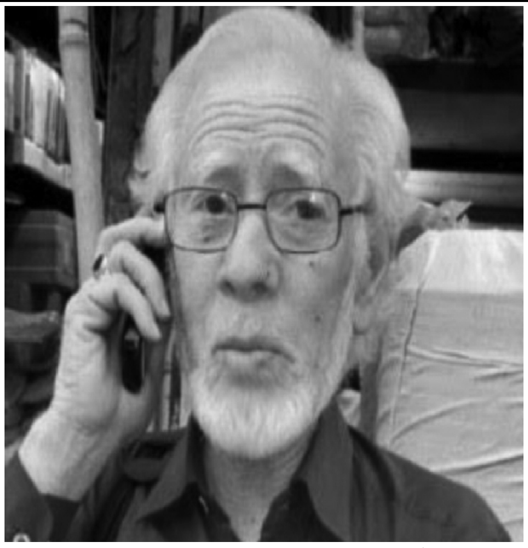

ولادت: یکم مارچ 1944 —— وفات: 5 اگست 2024

بیجاپور تاریخی شہر ہے جسے گنبدوں کا شہر بھی کہا جانا چاہیے، اگر آگرے میں مغل بادشاہ شاہجہاں کا بنوایا ہوا تاج محل دُنیا کے عجائبات میں ’ممتاز‘ مقام کا حامل ہے تو وہیں عادل شاہی دَور کی یادگار المعروف بہ ’گول گنبد‘ بیجاپور ہی کا نہیں بلکہ جنوبی ہندستان کے عجائبات میں اہمیت کا حامل ہے، جسے دُنیا بھر کے سیاح دیکھنے آتے ہیں۔ اسی شہر میں سرکاری سطح پر ہر سال ایک ثقافتی میلے جیسی تقریبات بھی طویل مدت تک منعقد ہوتی رہی ہیں اور ان تقریبات کی رونق ’مشاعرہ‘ ہوتا تھا جس کے اہتمام میں سلیمان خمار کی خدمات بنیادی حیثیت رکھتی تھیں۔ ملک کی آزادی کے بعد بتدریج اُردو مشاعرے کی احسن روایات کی مشعل مدھم ہو رہی تھی مگر بیجاپور کے جن مشاعروں کا ذکر ہو رہا ہے اُن میں اپنے وقت کے روشن نام زبیر رضوی، ندا فاضلی، مخمور سعیدی، شین کاف نظام اور افتخار امام صدیقی جیسے شعرا بالخصوص مدعو کیے جاتے تھے۔ سلیمان خمار سے ہمارا تعارف بھی انھی مشاعروں کے سبب ہوا اور پھر اُن سے ایک دوستانہ تعلق استوار ہوا۔ وہ بیجاپور کے شعرا میں اپنی جدتِ طبع کے سبب ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اسی شہر میں ہاشمی سلسلے کے پروفیسر اقبال ہاشمی جنھیں پورا بیجاپور ’اقبال پیراں‘ کے اسمِ مبارک سے یاد کرتا ہے، روایت ہے کہ سلیمان خمار کو انھی بزرگ سے تلمذ حاصل رہا ہے۔ بیجاپور میں چوں کہ مذہبی رُجحان بھی عام ہے، وہاں مسالمے، نعتیہ مشاعرے اور نعتیہ محافل کی بھی ایک روایت روشن رہی ہے، سو سلیمان خمار کو نعتیہ شاعری سے بھی قابلِ ذکر شغف رہا ہے۔ وہ اپنی اکثر نعتیں اخبار میں اشاعت کے لیے احقر کو ارسال کیا کرتے تھے۔ اس وقت اُن کی نعت کا ایک شعر قلبِ ندیم پر روشن ہے:

میرے آقاؐ نے دِیا ہے آبیاری کا ہنر
بانجھ ہوتی ڈالیوں کو باثمر کرتا ہوا

سلیمان خمار اچھی خاصی شعری صلاحیت کے حامل شخص تھے مگر عام شعرا کی طرح ان کے ہاں کوئی شعری طمع ہم نے کبھی محسوس نہیں کی۔ وہ جہاں اچھے شاعر کے طور پر اپنا امتیاز رکھتے تھے تو وہیں وہ ایک شریف اور وضع دار انسان بھی تھے۔

سلیمان خمار کے معاصرین میں بلکہ قدر دانوں میں شین کاف نظام ہی رہ گئے ہیں، (خدا انھیں تا دیر سلامت رکھے۔ آمین) ہم نے انھیں فون پر خمار کے سناونی دی تو اُن کا افسوس کے ساتھ یہ تاثر تھا:

”سلیمان خمار ہمارے اُن شعرا میں سے تھے جنھیں اُن کا حق نہیں ملا، وہ نہایت مخلص انسان تو تھے ہی لیکن اس سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت ادیب تھے۔ اُن سے ملنا، اُن سے بات کرنا، اُن سے شعر سننا یہ ظاہر کرتا تھا کہ ہم ایک ہی وقت میں قدیم احسن قدروں کے ساتھ ایک جدید انسان سے مل رہے ہیں۔“

اپنی روایات سے کوئی بھی سنجیدہ شخص لاتعلق ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ روایت ہی سے اپنی شعری فصل کے لیے زمین ہموار کرتا اور کھاد حاصل کرتا ہے۔ سلیمان خمار کو ہم نے بھی جدید شاعر ہی کے طور پر جانا اور سمجھا، مگر ان کے ہاں روایت کی اعلا قدریں بھی بہت مستحکم تھیں۔

nadeemd57@gmail.com

اُردو املا اور حروفِ تہجی
لسانیاتی تناظر
رؤف پاریکھ
قیمت: 300 روپے

رموزِ اوقاف
کب، کہاں اور کیوں؟
ڈاکٹر شمس بدایونی
قیمت: 300 روپے

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، روڈگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***